عربی مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم

ایک تنقید کا جواب

طفیل احمد قریشی

"عربی مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم" کے عنوان سے ایک مضمون الرحیم کی اپریل ۶۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ جس پر ستمبر ۶۵ء کی اشاعت میں جناب شبیر احمد خاں غوری صاحب ایم۔ اے، ایل۔ ایل بی، ٹی۔ ایچ کی تنقید نظر سے گذری۔ گو یہ تنقید بذات خود غوری صاحب کا علمی مقالہ معلوم ہوتی ہے مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی تنقید بنیادی اختلاف کی بجائے صرف مضمون کے بارے میں کسی غلط فہمی کا ردعمل ہے۔ بہرکیف بزرگ موصوف ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے صاحب قلم ہیں جنہوں نے مضمون کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے ایک دور دراز مقام سے کچھ لکھا جس سے ان کی مدارس کے "نظام اور نصاب" سے دلچسپی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

محترم غوری صاحب سے گزارش ہے کہ وہ مناظرانہ ابحاث سے اجتناب فرماتے ہوئے صرف اپنے عالمانہ مشوروں سے استفادہ کا موقع دیں۔ مضمون میں بیان کردہ معروضات کو یہاں بخوف طوالت دہرانا مناسب معلوم نہیں ہوتا صرف ان چند جملوں پر مختصراً گفتگو کی جاتی ہے جو جناب غوری صاحب کی تنقید کا نشانہ بنے۔

مضمون میں لکھا گیا تھا کہ۔

"پہلی صدی ہجری میں ہی مسلمان سرزمین سندھ میں ہندوستان کو اپنے علوم سے روشناس کرا چکے تھے۔" (الرحیم اپریل ۶۵ء)

اس جملے پر تنقید فرماتے ہوئے غوری صاحب لکھتے ہیں۔

"سندھ ۹۳ھ میں اور ملتان ۹۵ھ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ فاتحین کے ساتھ

پہلا کام استحکام سلطنت کا تھا اور علمی سرپرستی کا بعد میں۔" (الرحیم ستمبر سنہ ۱۹۶۵ء)

اس لئے ان کے خیال میں مضمون نگار کا متذکرہ جملہ بقول ان کے "دعویٰ بلا دلیل" ہے۔ قبل اس کے کہ جملے کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ مسلمان سندھ میں آئے کب؟ فاضل ناقد کے جملے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ سنہ ۹۳ھ کے محمد بن قاسم کے حملے سے پہلے سندھ میں مسلمانوں کی آمد یا تو مانتے نہیں ہے یا پھر کسی وجہ سے صرف محمد بن قاسم ہی کے حملے کو اسلامی لشکر کا کامیاب حملہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل میں سندھ فتح کرنے کا خیال حضرت عمرؓ خلیفہ دوم ہی کے دور میں آگیا تھا۔ عہدِ عمرؓ میں حکمؔ نے اپنے بھائی مغیرہ کو خلیج دیبل بھیجا تھا اور خود بروص میں حملہ آور ہوئے تھے۔ بلاذری نے اپنی کتاب "فتوح البلدان" میں "فتوح السند" کا ایک مستقل باب لکھا ہے وہ لکھتا ہے۔

وجهه أخاه المغيرة بن أبي العاص إلى خور الديبل فلقي العدو فظفر[1]

اس نے اپنے بھائی مغیرہ کو خلیج دیبل کی طرف روانہ کیا۔ دشمن سے مقابلہ ہوا اور وہ فتحیاب ہوئے لیکن جب حضرت عمرؓ کو اس مہم کی خبر ملی تو آپ نے اسے پسند فرمایا۔ سنہ ۳۲ھ میں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں عبداللہ بن عامر والیٔ عراق نے حکیم بن جبلۃ العبدی کی سرکردگی میں سندھ میں ایک دستہ بھیجا۔ جس نے وہاں جاکر خلیفہ کو سندھ کے حالات سے مطلع کیا اور کہا۔

ماؤها وشل وتمرها دقل ولصها بطل إن قل الجيش فيها ضاعوا وإن كثروا جاعوا" [2]

"اس کا پانی بدمزہ اور کمیاب اس کی کھجور خشک (لکڑی کی طرح) اور اس کا چور سورما ہے اگر اس میں لشکر کم ہوگا تو ضائع ہو جائے گا اگر زیادہ ہوگا تو بھوکا رہے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم سجع بیان کر رہے ہو یا حالات؟ حکیم بن جبلۃ العبدی نے عرض کیا۔ حقیقت حال عرض کر رہا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے لشکرکشی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ایک بار پھر فتح سندھ کے لئے اسلامی لشکر ہندوستان کی طرف بڑھا جسے بلاذری

---

[1] بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۳۲ - ۴۳۳، لیڈن سنہ ۱۸۶۶ء - اردو ترجمہ ماخوذ فتوح البلدان مترجمہ ابوالخیر مودودی، حیدرآباد سنہ ۱۹۳۲ء۔

[2] ایضاً

نے یوں بیان کیا ہے۔

"۳۸ھ کے اواخر میں یا ۳۹ھ کے ابتداء میں حارث بن مرہ العبدی نے علی بن ابی طالب سے اجازت لے کر بحیثیت مطوع سندھ پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوئے اور کثیر غنیمت ہاتھ آئی۔ صرف لونڈی اور غلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کئے گئے۔ [1]

اس کے بعد ۴۲ھ میں مسلمانوں نے قیقان پر حملہ کیا جس کے بارے میں بلاذری کا بیان ہے کہ وہ سندھ کے ان شہروں میں سے ایک شہر ہے جو خراسان سے متصل ہے۔ [2] اور ایک روایت کے مطابق یہ شہر اس زمانے میں دریائے سندھ کے بالائی حصے کے قریب واقع تھا۔ [3]

حضرت معاویہ کے عہد میں مہلب بن ابی صفرہ نے ۴۴ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور اسلامی لشکر بنہ یا بنوں [4] اور اہواز تک آگیا۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے۔

"معاویہ بن ابی سفیان کا عہد تھا۔ مہلب بن ابی صفرہ نے اس سندھ پر حملہ کیا اور بنہ اور اہواز تک جا پہنچے۔ یہ دونوں شہر ملتان اور کابل کے درمیان ہیں [5]

بنہ اور اہواز کے ان حملوں کے بعد قصدار کی باری آئی۔ فتوح البلدان کے مترجم مولانا مودودی نے اصطخری (ص ۱۷۸) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قصدار ملتان سے بیس منزل پر تھا اور بشاری کے بیان کے مطابق یہ شہر مکران کی بندرگاہ سے بارہ منزل کے فاصلہ پر تھا۔ [6]

سنان کی وفات کے بعد قصدار والوں نے بغاوت کر دی جسے ابوالاشعث نے فرو کیا۔ فتوح البلدان نے لکھا ہے۔

"ابوالاشعث نے قصدار والوں پر لشکر کشی کی اور فتح کیا اور ان کو لونڈی غلام بنایا۔ سنان

---

[1] بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۳۲، لیڈن ۱۸۶۶ء اردو ترجمہ ماخوذ فتوح البلدان مترجم ابوالخیر مودودی، حیدرآباد ۱۹۴۰ء [2] ایضاً [3] ایضاً

[4] فتوح البلدان، اردو ترجمہ، حاشیہ مولانا مودودی

[5] بلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۳۲ لیڈن ۱۸۶۶ء

[6] فتوح البلدان، اردو ترجمہ، حاشیہ ص ۱۸۲ حیدرآباد ۱۹۴۰ء

اس علاقے کو فتح کر چکے تھے۔" [1]

قصدار کے علاوہ سندھ کی فتوحات میں بوقان اور قیقان شہروں کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ جنھیں ابولاشعث نے فتح کیا۔ ابولاشعث کا تذکرہ کرتے ہوئے بلاذری نے لکھا ہے۔

"انہوں (ابوالاشعث) نے بوقان اور قیقان پر چڑھائی کی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مال غنیمت ہاتھ آیا اور ان کے بہت سے سرایا شہروں میں پھیل گئے۔" [2]

ان سرایا میں ابن حری کا نام قابل ذکر ہے۔ جن کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے۔

لولا طعانی بالبوقان ما رجعت

منہ سرایا ابن حری باسلاب [3]

اگر میں بوقان میں نیزہ بازی نہ کرتا تو ابن حری کے سرایا مقتولوں کا مال نہ لاتے۔ اہل بوقان کا ذکر کرتے ہوئے بلاذری نے لکھا ہے۔

"بوقان والے اب مسلمان ہیں۔" [4]

محمد بن قاسم نے دیبل پر ۹۳ھ میں اور ملتان پر ۹۵ھ میں حملہ کیا۔ تعجب ہے فاضل ناقد اس دور کے سندھ کے بنّہ، اہواز، قصدار اور بوقان کو پتہ نہیں کیوں نظر انداز فرما رہے ہیں جبکہ یہاں ۹۳ھ سے کہیں پیشتر مسلمان حملے کر چکے تھے۔ اور مسلمان سندھ کی سرحد یا اس کے بعض علاقوں میں آباد ہونا بھی شروع ہو گئے تھے۔ مختلف علاقوں میں ان کی آبادیاں بھی بڑھنے لگی تھیں۔ سید سلیمان ندوی کی رائے ہے کہ

"گذر چکا ہے کہ عربوں نے کس طرح دیبل سے ملتان تک پہلی صدی ہجری کے آخر میں فتح کیا مگر واقعہ یہ ہے کہ اس فتح بلکہ حملہ سے پہلے سندھ میں مسلمان آباد ہو چکے تھے۔ [5]

فاضل ناقد کے بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلامی علوم کی اشاعت کا صحیح محرک اسلامی

---

[1] ایضاً [2] ایضاً [3] ایضاً

[4] بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۳۵ - ۴۳۴ لیڈن ۱۸۶۶ء

[5] سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات (مجموعہ لکچرز) ص ۱۹۳

حکومت کے سربراہوں کو سمجھتے ہیں، جیسا کہ فرماتے ہیں۔

" فاتحین کے سامنے پہلا کام استحکام سلطنت کا تھا۔ اور علمی سرپرستی کا بعد میں"[1]

اور دوسری جانب ہندوستان کے مدارس کے نظام کے سلسلہ میں اس کے معترف بھی ہیں کہ

" دیگر مسلمان حکمرانوں کی طرح نصاب کی تبدیلی میں براہ راست اکبر کا بھی کوئی دخل نہ تھا"[2]

فاضل ناقد کا ایک ہی امر کے بارے میں رائے کا تضاد سمجھ میں نہیں آتا۔ متذکرہ آرا سے یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ سندھ میں پہلی صدی میں مسلمانوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ ظاہر ہے ان میں تعلیم و تدریس کا بندوبست بھی ہوگا۔ سوال صرف اتنا ہے کہ اگر نہیں تھا تو کیوں نہیں؟ اور اگر تھا تو کیا؟ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کی تدریس میں کس قسم کا نصاب ہوسکتا ہے؟ اس کے لئے ہمیں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ بالکل ابتدا سے لینا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا اصل محور قرآن مجید ہے۔ نزول قرآن کے ساتھ ہی ساتھ آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو اس کی تعلیم سے بہرہ ور فرمانا شروع کر دیا تھا۔ اور اس کے لئے آپ نے مسجد نبوی سے ملحق ایک چبوترہ (صفہ) میں اس کا انتظام فرمایا تھا۔ جہاں آپ اصحاب صفہ کو ضرورت دین کے سبھی پہلوؤں کی تدریس فرماتے تھے۔ قرآن پاک کی آیات کی تشریح (تفسیر) کے ساتھ یہاں انہیں قرات و کتابت (لکھنے) کی تعلیم بھی دی جاتی تھی[3] یہاں ان کے خورد و نوش کا بھی انتظام تھا۔ جس کے نگراں حضرت معاذ بن جبلؓ تھے۔

کتاب "الاسلام والحضارۃ العربیہ" میں ان حضرات کے تقریباً بائیس اسماء گرامی کا تو پتہ چلا ہے۔ بالفاظ دیگر اسلام کے یہ مدرس و مبلغ اور ان کے تلامذہ آنحضرت اور خلفائے اربعہ کے عہد میں مفتوحہ علاقوں میں جاکر اسلامی تعلیمات سے عوام کو روشناس کراتے تھے۔ ان حضرات کے علاوہ مفتوحہ اور دور دراز علاقوں میں ایسے حضرات موجود تھے جنہوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلامی تعلیمات کی تحصیل مقتدر صحابہ سے کی تھی۔ جو اپنے علاقوں میں درس و تدریس سے اپنے تلامذہ اور عوام

---

[1] الرحیم ص ۲۹۵ ستمبر ۱۹۶۵ء

[2] الرحیم ص ۳۰۰ ستمبر ۱۹۶۵ء

[3] ۱۔ عہد اسلامی کا ہندوستان۔ ۲ مسلمانان ہند و پاک کی تاریخ تعلیم

کو فیض یاب کرتے تھے۔ یہ بات الگ ہے کہ نہ تو اس دور میں منطق و فلسفہ کی طویل ابحاث تھیں اور نہ اس قسم کا کوئی نصاب جس میں علم کلام پر مستقل کتب ہوں۔ قال اللہ اور قال الرسول سے مستنبط وہ تشریحات و توضیحات تھیں جو ان کے معاملات اور عبادات کے ہر پہلو میں ان کی راہنمائی کرتی تھیں اس وقت کی تدریس، طریقۂ تدریس اور نصاب کے بارے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے، ظاہر ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہوگا جسے ہم تیسری یا چوتھی صدی ہجری کے دور کے تذکرہ میں لکھ سکیں گے۔ لہٰذا پہلی صدی ہجری میں کسی ایسے نصاب یا مدارس کے نظام کی توقع جسے ابن حوقل اور مقدسی نے اپنے ادوار میں لکھا ہو۔ ظاہر ہے بالکل تاریخی حقائق سے پہلو تہی اور اسلامی علوم کی تاریخ سے عدم واقفیت کے مترادف ہوگی۔ اس لئے فاضل ناقد کو مضمون کی اس عبارت سے کہ "پہلی صدی ہجری میں مسلمان سندھ میں ہندوستان کو اپنے علوم سے روشناس کرا چکے تھے" بالکل متحیر نہ ہونا چاہیئے۔

محمود غزنوی اور ہندوستان میں علمی سرگرمیوں کی ابتداء

تاریخ ہند و پاک میں محمود غزنوی کے دور کو فتوحات کا دور کہا جا سکتا ہے۔ وہ ایک عالم حکمراں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ علمی سرپرستی پر زیادہ وقت صرف کر سکتا۔ بہرکیف تھوڑا بہت جو کچھ بھی اس نے کیا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پنجاب کے بارے میں مفتی انتظام اللہ لکھتے ہیں کہ

"۱۰۲۶ء میں سلطان محمود غزنوی نے صوبہ پنجاب کا غزنی سے الحاق کیا اور جس طرح سندھ کے علاقوں میں عراقی، شامی، حجازی، یمنی، حضرمی قبائل آباد ہو کر عربی زبان اور دینی تعلیم کی ترویج کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ یہاں بھی پٹھان، ایرانی اور ترک خاندان آباد ہوئے اور ان میں بھی دینی علوم کا رواج ہوا۔"[1]

پروفیسر سید نوشہ علی نے محمود کی علمی سرپرستیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"محمود نے علوم و فنون کی ترقی پر چار لاکھ دینار صرف کئے۔ محمود نے صرف علماء کی سرپرستی ہی نہیں کی بلکہ تعلیمی ادارے بھی قائم کئے۔"

مولانا ابوالحسنات ندوی فرشتہ کی عبارت نقل فرماتے ہوئے محمود کے دور کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرماتے ہیں اس سے اس عبارت کو تو اور بھی تقویت ملتی ہے کہ "اسلامی نظام تعلیم کی

---

[1] اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع ص ۳۱-۳۰، کراچی ۱۹۶۱ء

"در اوائل سلطنت او در ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنا نہادند۔ کہ زبان از تعداد آں عاجز و قاصر است۔" [1]

آگے لکھتے ہیں

"جس زمانے میں مسعود سلطان محمود کے عہد میں لاہور کا گورنر بنایا گیا اس وقت شیخ اسمٰعیل (متوفی ۴۴۸ھ) لاہور آئے۔ یہ اسلامی علوم، تفسیر و حدیث کا ذخیرہ ساتھ لائے۔ مسعود نے مدارس و مکاتب کو عطیات و اوقاف سے مالا مال کیا۔" [2]

سید ریاست علی نے مسعود کی علمی سرپرستی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۳ھ میں لاہور فتح کیا اور سلطان مسعود کو یہاں کا گورنر بنایا۔ اس کے دامنِ دولت سے علماء و فضلاء کی جماعت وابستہ تھی۔ اس کے عہد میں ایک بزرگ شیخ اسمٰعیل (م ۴۴۸ھ) لاہور آئے اور یہاں توطن پذیر ہوگئے۔ یہ اسلامی علوم، تفسیر و حدیث و فقہ کا ذخیرہ ساتھ لائے اور ان کے ذریعہ یہاں علوم کی اشاعت ہوئی۔" [3]

جن شیخ اسمٰعیل کا ذکر مفتی صاحب اور سید ریاست علی کر رہے تھے مصنف "تذکرہ علمائے ہند" نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"از علمائے محدثین و مفسرین بود اوائل کسی است کہ علم حدیث و تفسیر بہ لاہور آورد۔" [4]

مفتی انتظام اللہ اور سید ریاست علی کے علاوہ پروفیسر سید نوشہ علی اسی "محل نظر" عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"مسعود نے ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کی باپ (محمود) سے زیادہ قدر و منزلت کی اور اس نے اپنی حدود مملکت میں غزنہ سے لاہور تک کثرت سے مساجد تعمیر کیں اور مدارس قائم کئے۔"

---

[1] اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع ص ۳۱ کراچی ۱۹۶۱ء

[2] " " " " " "

[3] عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۲۶۹، پٹنہ ۱۹۵۰ء

[4] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳، لکھنؤ ۱۹۱۴ء ترجمہ ماخوذ "تذکرہ علمائے ہند" ص ۱۱۱ کراچی ۱۹۶۱ء

فرشتہ لکھتا ہے۔

"در اوائل سلطنت اور در ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنا نہادند کہ تعداد آں عاجزہ قاصر است" [1]

سید نوشہ دوسری جگہ صاف صاف لکھتے ہیں کہ

"مسعود نے بے شمار کالج، مسجدیں اور مذہبی ادارے قائم کئے" [2]

اپنے اس دعوی کی تائید میں وہ بیرونی کو بھی پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

"البیرونی نے بھی جا بجا اس (متذکرہ دعویٰ) کی تائید کی ہے" [3]

ان تصریحات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی مدارس اور علمی سرگرمیوں میں مسعود کا بھی کافی حصہ رہا۔

مدارس کے نصاب کی ترتیب اور اس کے مختلف ادوار

سب سے بڑی غلط فہمی فاضل ناقد کو مدارس کے نصاب کی ترتیب اور اس کے ادوار کے سلسلہ میں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے مضمون میں مندرج نصاب، مدارس کے نصاب کی جامع تاریخ نہیں بلکہ صرف ایک خاکہ اور سرسری جائزہ ہے جیسا کہ مضمون میں نصاب پر گفتگو سے پہلے ہی واضح کر دیا گیا تھا کہ

"ہم صرف یہاں برصغیر پاک و ہند میں نصاب تعلیم کا سرسری جائزہ لینا چاہتے ہیں" [4]

یہ جائزہ نہ تو حکومتوں یا سیاسی ادوار کی حیثیت سے مرتب کیا گیا اور نہ یہ ماہرین تعلیم یا گروہ علماء اور ان کے مختلف طبقوں کے ادوار پر مشتمل ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی ابتدا سے انگریزی دور تک مختلف زمانوں میں اسلامی مدارس میں جو نصاب زیر تدریس رہے اس کا اجمالی خاکہ ہے لہٰذا اس قسم

---

[1] مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم ص ۳۲-۳۳ کراچی ۱۹۶۳ء

[2] مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم ص ۳۳ کراچی ۱۹۶۳ء بحوالہ روضۃ الصفا مترجمہ ایلیٹ جلد ۱ ص ۱۳۹-۱۳۸

[3] ایضاً

[4] الرحیم ص ۱۸ اپریل ۱۹۶۵ء

کا اعتراض کہ فلاں کتاب کا نام چونکہ فلاں صاحب کے دور میں لکھا گیا ہے، جب کہ موصوف حیات نہ تھے، زیادہ معقول معلوم نہیں ہوتا۔ فرض کیجئے ایک نصاب جو دو سو سال پڑھایا جاتا رہا ہو، ظاہر ہے اس میں ایک دو کتب کا اگر آخری سالوں میں اضافہ ہوا ہو تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نصاب میں فلاں کتاب یا فلاں صاحب کا تذکرہ ہے جو فلاں صاحب سے اتنے سال بعد میں یا پہلے پیدا ہوئے۔ لہٰذا اس غلط فہمی کا ازالہ ہونا چاہیئے کہ نصاب کی تدریس کے ادوار وہ نہیں جو جناب غوری صاحب نے سمجھ لئے ہیں۔ مولانا ابوالحسنات ندوی نے مدارس کے نصاب کے سلسلے میں مولانا عبدالحئ کے مقالہ "ہندوستان کا نصاب درس" کے کچھ اقتباسات پیش کئے ہیں جن میں مدارس کے نصاب کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے[1] اور ہر دور میں جو کتب پڑھائی جاتی رہیں، ان کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ پہلے دور کی ابتداء ساتویں صدی ہجری سے ہوتی ہے اور پانچواں دور ملا نظام الدین کا ہے، جنہوں نے وہ نصاب دیا جسے "درس نظامی" کہا جاتا ہے۔ ان ادوار کی نصابی کتب کا اجمالی تذکرہ مضمون میں کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہر دور میں ضرورت اور حالات زمانہ کو ملحوظ رکھ کر کتب داخل نصاب کی جاتی رہیں۔ "درس نظامی" بھی مولانا نظام الدین فرنگی محلی (المتوفی ۱۱۶۱ھ) کے اپنے زمانہ کا بہترین نصاب تھا۔ اب جب کہ موصوف کی وفات کے بعد اس نصاب کی تدریس کو تقریباً دو سو سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ اور مدارس میں یہی نصاب زیر تدریس ہے لہٰذا عہد حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر اس پر نظر ثانی ناگزیر ہے۔ اس لئے دو سو سال کے اس عرصہ میں مختلف علوم میں جو نئی تحقیقات ہوتی ہیں یا علم کلام اور فقہ کے جو نئے مسائل آج علماء کو درپیش ہیں ان کے بیشتر حصے کا ہمارے اس نصاب میں تذکرہ نہیں جس سے کہ طلباء کو حالات حاضرہ سے متعلق نئے مسائل کے مطالعہ میں خاطر خواہ مدد ملے۔

سید مولیٰ

سید مولیٰ کے بارے میں مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں اپنی آراء کا اظہار کیا ہے یہ درست ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں صرف ایک فقیہہ اور درویش لکھا ہے جن کے آستانہ پر ہمیشہ لنگر جاری رہتا تھا۔ اور بعض لوگوں نے انہیں کیمیا گر بتایا ہے لیکن جہاں تک ان کے کسی تعلیمی ادارہ یا مرکز علوم

---

[1] ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں ص ۹۰ اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء

کے قیام کا تعلق ہے اس کا ذکر پروفیسر نوشہ نے تاریخ فیروز شاہی کے حوالہ سے کیا ہے چنانچہ ان کے تعلیمی ادارہ کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ

" سید مولیٰ اپنے وقت کے بڑے بزرگ تھے اور بلبن کے عہد میں بھی ان کی بہت شہرت تھی۔ انہوں نے اسی عہد میں ایک تعلیمی ادارہ دہلی میں قائم کر لیا تھا۔"[1]

اسی طرح ان کے مرکز علوم کے قیام کے بارے میں طبقات ناصری کے حوالہ سے مفتی انتظام اللہ نے لکھا ہے کہ۔[2]

" سید مولیٰ ہندوستان میں علم و تقویٰ میں مشہور تھے۔ سید مولیٰ نے دہلی میں مرکز علوم قائم کیا تھا۔"

اکبر کی تعلیمی اصلاحات

فاضل ناقد کو مضمون کی اس عبارت پر بھی اعتراض ہے جس میں اکبر کے دور کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

" اکبر کا عہد جہاں اور بہت سی تبدیلیوں کا باعث بنا' وہاں اس کا اثر ہمارے نصاب پر بھی بہت گہرا پڑا۔ ان اہم تبدیلیوں کا ذکر ابوالفضل نے آئین اکبری میں بھی کیا ہے ۹۹۵ھ میں اکبر نے مدارس میں علوم نقلیہ (قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ) میں بے انتہا کمی کر کے علوم مروجہ فلسفہ، طب، ریاضی، نجوم ہیئت کیمیا وغیرہ مضامین کی تدریس کے احکامات جاری کر دیئے۔"[3]

اس عبارت پر جو تنقید کی گئی ہے اس میں فاضل ناقد کا نشانہ اکبر کی ذات زیادہ ہے۔ فاضل

---

[1] مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم ص۵۵، کراچی ۱۹۶۳ء بحوالہ تاریخ فیروز شاہی مترجمہ ایلیٹ جلد۔ ۳ ص۱۶۸

[2] اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع ص۳۲، کراچی، ۱۹۶۱ء بحوالہ طبقات ناصری ترجمہ راوٹی ص۶۳۷

[3] الرحیم ص۲۰۰ اپریل ۱۹۶۵ء

ناقد کا خیال ہے کہ

(i) "اکبر کی اسلام بیزاری نے مدارس کے نصاب کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔"

(ii) "نصاب کی تبدیلی میں براہ راست اکبر کو بھی کوئی دخل نہ تھا۔"

(iii) "معقولات کی گرم بازاری اکبر سے کہیں پہلے شروع ہو چکی تھی۔"

(iv) "یہ (فرمان اکبری) دین الٰہی کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں ہے۔ اور یہ حکم دین الٰہی کے پیروؤں ہی کو دیا گیا تھا۔" [1]

تعجب ہے ایک طرف تو فاضل ناقد کو اکبر کی اسلام بیزاری بہت کھل رہی ہے اور بقول ان کے اس کی اس اسلام بیزاری نے مدارس کے نصاب کو متاثر کیا۔ دوسری جانب ہندوستان میں معقولات کی گرم بازاری کی تاریخ بیان فرماتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نصاب کی اس تبدیلی کی وجہ نہ اکبر ہے نہ اس کا کوئی حکم بلکہ پہلے ہی سے ہندوستان میں معقولات کا چرچا ہو رہا تھا۔ آخر اس کا انکار کس نے کیا کہ ہندوستان میں اکبر سے پہلے معقولات کا چرچا نہیں تھا۔ اگر مضمون کو چند سطور پیشتر سے پڑھا جائے تو اکبر سے قبل جس نصاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں معقولات کی کتب کا ذکر صاف لفظوں میں موجود ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اکبر سے قبل جو نصاب زیر تدریس تھا اس میں علماء معقولات کی طرف بھی توجہ دے رہے تھے۔ اب جہاں تک نصاب کی تبدیلی کے سلسلہ میں اکبر کے براہ راست دخل کا تعلق ہے۔ منتخب التواریخ میں اس کے حکم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"در ہیں سال (۹۹۵ھ) حکم شد کہ ہر قوم ترک علوم عربیہ نمودہ غیر از علوم عربیہ از نجوم و حساب، طب و فلسفہ نخوانند" [2]

کیا اچھا ہوتا کہ سخت الفاظ میں تنقید کی بجائے اگر فاضل ناقد لفظ "ہر قوم" کو بھی مدنظر رکھتے۔ اور پھر عبارت میں چونکہ آئین اکبری کے بیان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے پہلے اس کو ملاحظہ فرما لیتے جس سے اکبر کے اس حکم کی وضاحت ہو جاتی۔ ابوالفضل نے مدارس کے طریقہ تعلیم

---

[1] الرحیم ص ۳۰۲ ستمبر ۱۹۶۵ء

[2] عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ ص ۳۶۳، کلکتہ، ۱۸۶۸ء

اور ابتدائی تعلیم میں زیادہ عرصہ صرف ہو جانے پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" در ہر کشور خاصہ دریں آباد بوم سالہا نو آموز را بدبستاں باز دارند مفردات حروف معجم را بچندیں گونہ اعراب آموزش رود بفراواں نامہ گرامی انفاس رائیگاں شود۔"

تمام ممالک میں عموماً اور خاص کر ہندوستان میں لڑکے سالہا سال مکتب میں وقت گزارتے ہیں اور اس طویل مدت میں صرف حروف مفردات اور چند اعراب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور بچوں کی عمر کا ایک معتدبہ حصہ صرف وضائع ہو جاتا ہے[1]۔

چنانچہ پہلے ابتدائی تعلیم کو درست کیا گیا۔ پھر ثانوی تعلیم میں اس امر کا خاص خیال رکھا گیا کہ وقتی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایسے علوم کی تعلیم دی جائے جن کا حصول ناگزیر ہو۔ آئین اکبری میں ہے۔

" وہر کس را از بایست وقت در نگذرانند"

یعنی ہر طالب علم کے لئے موجودہ ضروریات وعلوم کی تعلیم حاصل کرنا فرض کیا گیا[2]۔

ان علوم کی وضاحت کرتے ہوئے ابوالفضل نے لکھا ہے۔

" اخلاق۔ حساب۔ سیاق۔ زراعت۔ مساحت۔ طبیعی۔ ریاضی۔ الہی تاریخ مرتبہ مرتبہ اندوزد۔"

یعنی ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اخلاق۔ حساب۔ اقلیدس۔ زراعت، نجوم۔ رمل۔ تدبیر منزل سیاست مدن۔ طب منطق۔ طبیعی اور دنیا کی تاریخ وغیرہ علوم وفنون کی بتدریج تعلیم حاصل کرے[3]۔

یہی وجہ ہے کہ ان اصلاحات کی بدولت لوگوں کا رجحان ان علوم کے حصول کی طرف کافی بڑھ گیا اور مدارس میں معقولات کی گرم بازاری اور ہو گئی۔ مدارس پر ان اصلاحات کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ابوالفضل نے لکھا ہے کہ:-

" ازیں طرز آگہی مکتب ہا رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازہ یافت"

---

[1] آئین اکبری ص ۱۴۳، نول کشور ۱۸۸۲ء ترجمہ ماخوذ آئین اکبری مترجم مولوی فدا حسین آئین ص ۲۵ حیدرآباد ۱۹۳۸ء

[2] آئین اکبری ص ۱۴۳

[3] " " " "

یعنی ان قواعد سے مکتبوں میں تازہ رونق ہوئی اور مدرسوں میں علوم وفنون کو فروغ ہوا۔[1]

فاضل ناقد نے مضمون کی جس عبارت پر تنقید فرمائی تھی اسے آئین اکبری کے ان متذکرہ بیانات اور اکبر کے احکام کا خلاصہ کہا جاسکتا ہے ممکن ہے فاضل ناقد ان سب بیانات کو بھی ماموریین کے لئے خاص متصور فرمالیں لہذا بہتر ہے کہ اس ضمن میں چند لوگوں کی آرا بھی پیش کردی جائیں۔ "عہد اسلامی کا ہندوستان" کے مصنف نے انہی بیانات کی روشنی میں لکھا ہے کہ

"اکبر کے دور میں ہندوستان کے اسلامی مدارس ایک نئے انقلاب سے دوچار ہوئے۔ اس نے ۹۹۵ھ میں عربی واسلامی علوم کی تعلیم کے روکنے کا فرمان صادر کیا اور دوسرے عقلی علوم نجوم، حساب طب وفلسفہ مدرسوں میں رائج کئے"[2]

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ اکبر نے یہ حکم عام مدارس کو دیا تھا۔ اس لئے لکھا ہے "اسلامی مدارس ایک نئے انقلاب سے دوچار ہوئے" ساتھ ہی اسلامی علوم کی تعلیم روکنے کے فرمان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں۔

"یہاں یہ اشارہ کردینا ضروری ہے کہ اس شاہی فرمان کی رو سے نئے علوم تو ضرور نصاب میں داخل ہوگئے لیکن عربی واسلامی علوم خارج نہیں ہوئے"[3]

مفتی انتظام اللہ شہابی بھی اسی رائے سے متفق نظر آتے ہیں۔ وہ اس فرمان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اکبر نے ۹۹۵ھ میں عربی واسلامی علوم کی تعلیم روکنے کا فرمان صادر کیا اور دوسرے عقلی علوم نجوم۔ حساب طب۔ فلسفہ مدارس میں رائج کئے جانے کی تاکید کی۔ نصاب تعلیم کی اس تبدیلی کو ابوالفضل نے آئین اکبری میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مگر عربی اسلامی علوم جاری رہے۔ البتہ نئے

---

[1] آئین اکبری ص۱۴۴

[2] عہد اسلامی کا ہندوستان ص۲۲۹، پٹنہ ۱۹۵۰ء

[3] ایضاً

علوم ضرور نصاب میں داخل ہو گئے۔" [1]

پروفیسر سید نوشہ نے تو ایک قدم اور بڑھایا ہے وہ لکھتے ہیں۔

" اکبر پہلا بادشاہ ہے جس نے تعلیمات کا محکمہ قائم کیا اور اپنی رعایا کی تعلیم کی طرف بلالحاظ مذہب و ملت توجہ کی۔" [2]

غالباً یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلامی مدارس میں علوم جدیدہ کی تعلیم کے ساتھ اسلامی علوم کی تدریس ہوتی تھی، ہندو مدارس میں ان کی مذہبی کتب پڑھائی جاتی تھیں ابوالفضل نے لکھا ہے۔

" واز ہندی علوم بیاکرن۔ نیائ۔ بیدانت۔ پاتنجل برخواند"

یعنی سنسکرت کے طلبہ کے لئے بیاکرن۔ نیائے۔ ویدانت اور پاتنجلی کی تعلیم ضروری قرار دی گئی۔ [3]

صرف احکام صادر کرنے یا اصلاحات کے نفاذ تک ہی اکبر کا تعلیمی میدان میں صرف احکام صادر کرنے یا اصلاحات کے نفاذ تک ہی اکبر کا تعلیمی میدان میں حصہ نہیں بلکہ اس نے بہت سے مدارس بھی کھلوائے۔ سید نوشہ علی لکھتے ہیں۔

اکبر نے صرف طریقۂ تعلیم میں انقلاب پیدا نہیں کیا بلکہ اس نے بڑی تعداد میں تعلیم گاہیں۔ ادنیٰ و اعلیٰ تعلیم کے لئے قائم کیں۔ یہ درس گاہیں اس کی حکومت کے ہر حصے میں تھیں۔" [4]

ان درس گاہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ "تفریح العمارات" کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

" اکبر نے فتح پور سیکری کی پہاڑی پر ایک ایسا کالج بنایا جس کی مثال بہت کم مسافروں نے دیکھی ہے۔" [5]

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

---

[1] اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع ص ۳۹، کراچی ۱۹۶۱ء

[2] مسلمانان ہند و پاک کی تاریخ تعلیم ص ۲۲۴

[3] آئین اکبری ص ۱۴۳

[4] مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم ص ۲۲۵ [5] ایضاً

" علاوہ فتح پور سیکری کے مشہور کالج کے اس شہر میں اور بہت سے کالج تھے جو عہد الحکم اکبر بنوائے گئے۔"[1]

علاوہ ازیں پروفیسر صاحب لالہ چھیتر مل کی کتاب "عمارات الاکبر" کے حوالہ سے بہت سے مدارس کا تذکرہ کرتے ہیں جو اکبر نے بنوائے۔[2]

اکبر نے علوم مروجہ کی تدریس کا فرمان جاری کیا۔ مدارس کھلوائے۔ تو کیا اساتذہ کا تقرر نہ ہوا ہوگا جو ان مضامین کو پڑھا سکیں۔

فاضل ناقد نے مضمون کی اس عبارت پر جس میں ماثر الکرام کے حوالہ سے لکھا گیا تھا کہ اکبر نے ماہرین تعلیم بلوائے۔ صرفی و نحوی حاشیہ آرائی فرمائی ہے۔ اور نفس اعتراض کا ذکر نہیں فرمایا۔ چنانچہ یہاں اگر مقصد صرف اسی صرفی و نحوی بحث کا تھا تو الگ بات ہے لیکن جہاں تک بیرونی علاقوں سے اساتذہ کے بلائے جانے کا تعلق ہے اس سے تو اختلاف کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ویسے مزید تائید کے لئے "مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم" کا یہ اقتباس حاضر ہے۔

آگرہ میں بھی متعدد مدرسے تھے جن میں کئی اساتذہ شیراز سے بلائے گئے تھے۔ لالہ سیل چند نے بیان کیا ہے کہ ان کی زندگی میں بھی بعض درس گاہوں کی عمارتیں تھیں انہوں نے ایک مدرسہ دیکھا جو دور اکبری کی یادگار تھا۔ لالہ سیل چند نے یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر نے شیراز سے ایک فلسفی کو بلوا کر اس مدرسے میں مقرر کیا۔[3]

تنقید برائے تنقید

عربی مدارس کے نصاب میں تحریر اقلیدس ایک کتاب ہے جو فن ریاضی میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ پوری کتاب تو نہیں بلکہ اس کا مقالۂ اولیٰ داخل نصاب ہے۔ نصاب کی کتب ملاحظہ فرماتے

---

[1] ایضاً ص ۲۲۶ بحوالہ خلاصۃ التواریخ از سجن رائے کھتری نسخہ قلمی کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ص ۲۵۔ [2] ایضاً

[3] ایضاً ص ۲۲۶

ہوئے فاضل ناقد کی نظر جب "تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ" پر پڑی تو فوری تنقید فرما دی کہ۔

"مقالہ اولیٰ کو انہوں (مقالہ نگار) نے ایک مستقل کتاب سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ تحریر اقلیدس ہی کا جزو ہے" [1]

یہ کس نے لکھا کہ مقالہ اولیٰ کسی الگ کتاب کا نام ہے؟ خیر یہ بھی اچھا ہوا کہ انہیں ایک ہی کتاب دو نظر آئیں ورنہ تو ڈر یہ تھا کہیں وہ "شرح چغمنی' باب اوّل" کو بھی کہیں "تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ" کی طرح دو الگ کتب "شرح چغمنی" باب اوّل کتب منصور نہ فرما بیٹھے یا پھر شرح وقایہ اولین کو شرح وقایہ اور اولین دو الگ کتب خیال فرما کر مقالہ نگار پر کوئی فتویٰ صادر نہ فرما بیٹھے۔

کچھ مضمون کے بارے میں

فاضل ناقد کی خدمت میں چند معروضات پیش کرنے سے قبل اس مقالہ کے بارے میں ان کی چند غلط فہمیوں کا ازالہ کر دینا مناسب ہے۔ اصل مقالے کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ موضوع کی افادیت

۲۔ اسلامی مدارس کے نصاب کا سرسری جائزہ۔

۳۔ چند معروضات اور تبدیلی نصاب کے لئے علماء سے اپیل۔

جہاں تک موضوع اور اس کی افادیت کا معاملہ ہے فاضل ناقد کو اس موضوع سے نہ صرف دلچسپی ہے بلکہ وہ اس کی افادیت کے بھی معترف ہیں۔ اس ضمن میں وہ مقالہ نگار سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"مضمون نگار بھی اس بنیادی نکتے سے ناواقف نہ تھے" [2]

البتہ مضمون کے دوسرے حصے سے صاف موصوف کو غلط فہمی ہوئی اور یہی مضمون پر تنقید کا باعث بنی۔ خاص ناقد فرماتے ہیں۔

"ان (مضمون نگار) کے مضمون کا بڑا حصہ قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی علمی سرگرمیوں کی تاریخ

---

[1] الرحیم ص ۳۰۵ ستمبر ۱۹۶۵ء

[2] الرحیم ص ۲۹۳ ستمبر ۱۹۶۵ء

پر مشتمل ہے مگر ایسا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب میں ان سے جا بجا مسامحات ہوئے ہیں۔

دراصل مقالہ کا یہ حصہ قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی علمی سرگرمیوں کی تاریخ پر مشتمل ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ یہ کوئی علماء کی سوانح کا بیان ہے، نہ علمی سرگرمیوں کی کوئی تاریخ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر قیام پاکستان تک جو کتب مختلف ادوار میں داخل تدریس رہیں، اس مضمون میں ان کا اجمالی تذکرہ ہے جس کی روشنی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر دور میں جوں جوں نئے علوم کا چرچا ہوتا رہا ان علوم کی کتب کو مسلمانوں نے اپنے نصاب میں جگہ دی۔ اور یہ کہ مدارس کا درسی نصاب مختلف حکمرانوں یا علماء کے ادوار کی ترتیب سے مترتب نہیں ہے بلکہ قیام پاکستان تک یہ اپنے چند الگ ادوار سے گذرا ہے جس کا تذکرہ ہم اوپر کر آئے ہیں۔ ہندوستان کی علمی سرگرمیوں پر لکھنا یا ان کی تاریخ بیان کرنا اس مضمون میں پیش نظر نہ تھا۔

مضمون کے تیسرے حصے کو بدقسمتی سے فاضل ناقد نے اصلاح نصاب، یا پھر بقول ان کے "اصلاحی پروگرام" خیال فرمالیا ہے۔ حالانکہ مضمون میں عصر حاضر اور اس کے تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے صریح الفاظ میں کہا گیا تھا کہ۔

" یہ معروضات نہ تو کسی طویل بحث کا آغاز ہیں اور نہ غلط فہمی کی کسی تحریک کا کوئی باب۔ چند ذاتی تجربات و مشاہدہ کی روشنی میں پیدا ہونے والے وہ حقائق ہیں جنہیں ہمارے علماء ضرور محسوس کریں گے۔ زمانہ بدل گیا ہے اور آئندہ کو بدلے گا۔ اب ہمارے اکابر علماء کا فرض ہے کہ وہ وقت کی پکار سنیں اور پھر مدارس کے نظام کا بنظر غائر جائزہ لیں"[1]

اس اپیل کو "اصلاحی پروگرام" خیال کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ موجودہ عربی و دینی مدارس کے نصاب کا مسئلہ پاکستان کے تعلیمی مسائل میں بڑا اہم ہے جس کی طرف علماء اور ماہرین تعلیم کی توجہ مبذول کرانا بے حد ضروری ہے۔

غوری صاحب کے پیش کردہ اساسی نکات میں مزید اضافہ کی جرأت کرتے ہوئے یہ گزارش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی مفید تجاویز کو قلم بند فرماتے وقت وہ مندرجہ ذیل امور

---

[1] الرحیم ص ۲۶-۲۷ اپریل ۱۹۶۵ء

ضرور ملحوظ رکھیں۔

۱- پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے، جس میں عربی دینی مدارس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ان مدارس میں ایسے نصاب کی ترویج کو ملحوظ رکھا جائے جس میں نئے تعلیمی طریقوں سے پیدا ہونے والے فقہی اور کلامی مسائل نیز علوم عقلیہ میں نئی تحقیقات کو نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔

۲- برطانوی عہد حکومت کے برعکس اب ہمارے عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو مسجد و مدرسہ تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ ضرورت ہے کہ ان کے لئے ایسے مواقع فراہم کئے جائیں جن سے قوم مختلف شعبہائے حیات میں اپنے علماء سے استفادہ کر سکے۔ بالفاظ دیگر عربی دینی مدارس میں درجہائے تخصص کے ذریعہ ایسے لوگ پیدا کئے جائیں جو مختلف مضامین کی اسلامی اصولوں اور تعلیمات کی روشنی میں تعلیم دے۔

۳- عربی دینی مدارس کا عمومی اور وہاں کے فارغ التحصیل طلبا کا معاشی مسئلہ خصوصی طور پر قابل توجہ ہے۔ اسکولوں۔ کالجوں، یونیورسٹیوں، تحقیقاتی مراکز اور حکومت کے دیگر اداروں میں ان کی ملازمتوں کے حصول میں ہمت افزائی کی جائے۔ جس کی وجہ سے قابل اور بہتر استعداد کے لوگ ان اداروں کی طرف رخ کر سکیں۔

یہ اور اس قسم کے دیگر امور کو حالات کے تقاضوں کی روشنی میں دیکھنا ناگزیر ہے۔ اور پھر ایسے حالات میں جب کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لئے ہر میدان میں مساعی شب و روز جاری ہوں۔ اگر ہم نے اپنے شاندار ماضی پر رطب اللسان ہونا ہی کافی سمجھ لیا اور حالات کا گہرا مطالعہ نہ کیا یا پھر حالات کے ہاتھوں اپنی شکست مان کر راہ فرار اختیار کی تو ڈر ہے مستقبل کا مورخ ہمیں کبھی نہیں بخشے گا

ماخذ

۱- بلاذری فتوح البلدان (لیڈن ۱۸۶۶ء)

۲- فتوح البلدان مترجمہ

۳- سید سلیمان ندوی۔ عرب و ہند کے تعلقات (مجموعہ لکچرز)

۴- مفتی انتظام اللہ شہابی۔ اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع، کراچی، ۱۹۶۱ء

۵- پروفیسر سید نوشہ علی، مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم، کراچی ۱۹۶۳ء
۶- ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم درس گاہیں، اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء
۷- سید ریاست علی، عہد اسلامی کا ہندوستان، پٹنہ، ۱۹۵۰ء
۸- تذکرہ علمائے ہند، لکھنؤ۔ ۱۹۱۴ء
۹- ابوالفضل، آئین اکبری، نول کشور ۱۸۸۲ء
۱۰- آئین اکبری مترجم مولوی فدا حسین، حیدرآباد ۱۹۳۸ء
۱۱- عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۸ء

شیخ سیف الدینؒ نے اپنے زمانے کے علماء کی بے راہ روی، کج بحثی اور گمرہی کا خوب مشاہدہ کیا تھا اس لئے اپنے بیٹے (عبدالحق محدث دہلوی) کو نصیحت فرمائی۔

"باید کہ بہ ہیچ کس در بحث علم نزاع نکنی۔ و بہ کلفت نرسانی۔ اگر دانی کہ حق بجانب دیگر است قبول کنی، و اگر نہ دو سہ بار بگو، اگر قبول کند بگو کہ بندہ را چنیں معلوم است۔ آں نوع نیز تواند بود کہ شما می گوئید، نزاع برائے چیست۔"

چاہیئے کہ کسی سے علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو اور تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر یہ سمجھو کہ دوسرا حق بجانب ہے تو اس کی بات مان لو اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو دو تین بار سمجھا دو اگر نہ مانے تو کہو کہ مجھے تو یہی معلوم ہے ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو۔ پھر جھگڑے کی کیا بات ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے۔ یہ لاحاصل چیز ہے۔ اس سے منافرت اور مخالفت کے سوتے ابل پڑتے ہیں۔ علمی مسائل میں محبت و الفت سے تبادلۂ خیالات ہونا چاہیئے۔

(حیات شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ ص ۷۸ دہلی ۱۹۵۲ء بحوالہ اخبار الاخیار ص ۲۹۲)

شاہ ولی اللہ — سوانح حیات — اور ماحول

بی۔ اے۔ ڈار
مترجم خالد مسعود

شاہ ولی اللہ بلند پایہ علما اور صوفیا کے خانوادے میں پیدا ہوئے جس کے بعض افراد نے علم و فضل میں نام پیدا کیا اور بعض حرب و ضرب میں مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفہ دوم حضرت عمرؓ تک پہنچتا ہے۔(۱) آپ کے مورثِ اعلیٰ میں سے سب سے پہلے جو ہندوستان تشریف لائے مفتی شمس الدین تھے۔ آپ رہتک میں آکر قیام پذیر ہوئے۔ رہتک دہلی سے مغرب کی جانب تقریباً تیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ جب سے مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد شروع ہوئی اسی وقت سے رہتک آباد ترین قصبوں میں شمار ہوتا تھا اور مشہور خاندان وہاں سکونت پذیر تھے۔ غالباً مفتی شمس الدین قریش خاندان کے پہلے فرد تھے جو اس قصبے میں آکر ٹھہرے۔ وہ خود بہت بڑے عالم اور صوفی تھے۔ آپ نے علوم دینی کی ترویج کے لئے یہاں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی لوگ اس درس گاہ سے استفادہ کے لئے جوق در جوق آنے لگے آپ کو طریقہ چشتیہ سے نسبت تھی۔ آپ اس شہر کے قاضی مقرر ہوئے۔ (۲) بعد میں نسلاً بعد نسلٍ قضا کا یہ منصب آپ کے خاندان میں رہا اخلاف میں سے شیخ قاضی قادن (۳) رہیں بلد بھی مقرر ہوئے۔ قاضی قادن کے صاحب زادے شیخ محمود نے اس آبائی پیشے کو خیرباد کہا اور عسکر شاہی کی ملازمت اختیار کر لی۔ چار پانچ پشت تک خاندان کا لگاؤ عسکری خدمات سے قائم رہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ محمود کے صاحبزادے شیخ احمد نے شیخ عبدالغنی کی صحبت پائی تھی جو اپنے عہد کے معروف صوفی گزرے ہیں۔ "زبدۃ المقامات" کے مصنف خواجہ محمد ہاشم کاشمی لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالغنی شیخ احمد سرہندی کے والد کے ہم عصر تھے اور جب آپ سرہند آئے تھے تو ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ جس میں تصوف کے بہت سے اہم اسرار و رموز کے بارے میں طویل بات چیت بھی ہوئی تھی۔ (۴)

شیخ وجیہ الدین، جو شاہ ولی اللہ کے دادا تھے۔ ایک ممتاز نمایاں جنگ آزما ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ صوفی بھی تھے۔ شاہ جہاں کے دور حکومت میں مغل سپہ سالار سید حسین کی زیر قیادت مالوہ کی جنگوں میں

لہ جناب بی اے ڈار صاحب کا یہ مقالہ انگریزی زبان میں "اقبال اکیڈمی پاکستان کراچی" کے رسالہ اقبال ریویو میں شائع ہوا ہے۔ رسالہ مذکور اور جناب ڈار صاحب کے شکریہ کے ساتھ اس مقالے کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے۔ — ایڈیٹر